السلام علیکم و رحمت اللہ

وبعد مسئلہ یہ ہے کہ:

بیوی کا علاج شوہر پر واجب نہیں، لیکن اگر حاکم وقت بعلت تغیر عرف وغیرہ اگر علاج لازم ہونے کا قانون جاری کرے تو کیا اس حکم حاکم کے بنا پر علاج معالجہ شوہر کی ذمہ لازم ہوگا یانہیں؟ اور حاکم وقت اسطرح قانون جاری کرنے کا حق بھی رکھتاہے یا نہیں؟

(جواب منسلک ہے۔)

Scanned with CamScanner

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الجواب حامدًا و مصلیًا

بیوی اگر بیمار ہو جائے تو شوہر اس کے علاج کے اخراجات کا ذمہ دار ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں حضراتِ فقہاء کرامؒ کی ذکر کردہ عبارات کے ظاہر سے یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ شوہر اپنی بیوی کے علاج کے اخراجات کا ذمہ دار نہیں (دیکھیے: عبارات نمبر ۱)، لیکن ان عبارات کی بنا پر یہ کہنا بظاہر مشکل معلوم ہوتا ہے کہ شوہر بہر حال اپنی بیوی کے علاج کا ذمہ دار نہیں، کیونکہ قرآن وسنت کی کئی نصوص میں بیوی کے ساتھ 'معاشرت بالمعروف' اور اچھے برتاؤ کے ساتھ ساتھ ضرر رسانی سے پرہیز کا حکم دیا گیا ہے، جبکہ یہ کسی بھی طرح معقول یا اچھا برتاؤ نہیں کہلاتا کہ بیوی کو رہائش، لباس اور خوراک تو مہیا کی جائے لیکن جب وہ بیماری میں مبتلا ہو جائے تو اس کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا جائے اور اس کا مناسب علاج نہ کروایا جائے (دیکھیے: عبارات نمبر ۲)، جبکہ آج کل بہت سے امراض ایسے ہیں جن میں اگر علاج نہ کروایا جائے تو بظاہر موت کا غالب اندیشہ ہوتا ہے، نیز بیوی اپنے شوہر اور بچوں کے کاموں میں مصروفیت کی وجہ سے اپنے علاج معالجہ کے اخراجات کے لیے گھر سے نکل بھی نہیں سکتی، چنانچہ اس سلسلہ میں چند نکات کی وضاحت ضروری ہے:

الف: آیتِ مبارکہ: "{وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ} [البقرة: 233]" سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے بیوی کے نان ونفقہ کا مدار عُرف پر رکھا ہے، چنانچہ عُرف میں جو چیز بیوی کے نفقہ میں شمار ہو وہ شوہر پر بقدرِ استطاعت لازم ہوگی، بظاہر قدیم زمانہ میں چونکہ صحت کا معیار اچھا تھا، بیماریاں نسبتاً کم تھی، اگر کوئی بیمار ہوتا بھی تھا تو عام طور پر گھریلو علاج کافی ہوتا تھا، اس لیے علاج کے مستقل اخراجات کی ضرورت پیش نہیں آتی ہوگی اور شاید فقہاء کرامؒ نے بھی اسی بنا پر اس کو لباس وخوراک کی طرح نان ونفقہ کے باب میں ذکر نہیں کیا، تاہم ہمارے زمانہ میں چونکہ علاج ایک مستقل ضرورت بن گیا ہے اور اس کے اخراجات بھی کافی ہوتے ہیں، نیز ہمارا عُرف یہ ہے کہ بیوی کا علاج معالجہ شوہر کی ذمہ داری شمار کی جاتی ہے لہذا اس کے اخراجات بقدرِ استطاعت شوہر ہی کے ذمہ ہونے چاہئیں (دیکھیے: عبارات نمبر ۳)۔

ب: علامہ شامیؒ نے 'فتح القدیر' کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ: شرعاً 'نفقہ' سے مراد کسی بھی چیز کے وہ اخراجات ہیں جن پر اس کی بقاء کا انحصار ہو (ردالمحتار: 3\572)، چنانچہ نفقہ کی اس تعریف کی رُو سے جس طرح غذا اور خوراک کو بیوی کے نفقۂ واجبہ میں شمار کیا گیا ہے اسی طرح اُس کی دوا اور علاج کے اخراجات بھی نفقہ میں شامل ہونے چاہئیں، کیونکہ علاج بھی بقاءِ انسانی کے لیے ضروری ہے۔

(جاری ہے۔۔۔)

Scanned with CamScanner

ج: جمہور فقہاء متقدمین کی عبارات اگرچہ یہی ظاہر کرتی ہیں کہ بیوی کے علاج کے اخراجات شوہر کی ذمہ نہیں ہیں، تاہم بعض کتبِ مالکیہ میں علامہ ابن زرقون مالکیؒ کے حوالہ سے یہ صراحت موجود ہے کہ بیوی کا علاج اور طبیب کی اُجرت شوہر کے ذمہ لازم ہے (دیکھیے: عبارات نمبر ۴)۔

بہر حال آج کل علاج معالجہ اور حفظانِ صحت کی تدبیریں چونکہ انسان کی بنیادی ضرورتوں میں شمار ہوتی ہیں اور عُرف بھی یہ ہے کہ بیمار بیوی کے علاج معالجہ کا ذمہ دار شوہر کو سمجھا جاتا ہے اور یہ عُرف کسی نصِ شرعی کے معارض بھی نہیں، بلکہ 'معاشرت بالمعروف' اور مزاجِ شریعت کے عین مطابق ہے، چنانچہ ان حالات میں بیوی کا علاج معالجہ شوہر کی ذمہ داری ہوگی، بعض معاصر علماء کرام بالخصوص حضرت مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم اور حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمی رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔ (ماخذہٗ: فتاوی عثمانی [جلد: دوم، ص: ۴۹۱] ومباحثِ فقہیہ [صفحہ: ۳۰۶ تا ۳۰۸])

مذکورہ بالا تفصیل کے پیشِ نظر اگر مسلم حکومت بیوی کے علاج معالجہ کے اخراجات شوہر کی استطاعت کے مطابق اس پر لازم ہونے کا قانون جاری کردے تو قانوناً بھی یہ اخراجات شوہر کے ذمہ لازم ہو جائیں گے، کیونکہ یہ ایک ایسا قانون ہے جس کا تعلق عام عورتوں کے حقوق سے ہے اور حاکمِ وقت کو کسی مصلحت یا ضرورت کی بناپر کوئی ایسا قانون جاری کرنے کا حق حاصل ہے جس سے عام لوگوں کے حقوق کا تحفظ ہوتا ہو، بشرطیکہ وہ قانون شریعت کی کسی نص یا اجماع سے متصادم نہ ہو اور اس میں شوہر کی استطاعت کو بھی مدِ نظر رکھا جائے (دیکھیے: عبارات نمبر ۵)۔

عبارات نمبر ۱:

الدر المختار وحاشية ابن عابدين (رد المحتار) (3/ 575):

قال الحصكفي الحنفي: كما لا يلزمه مداواتها.

قال ابن عابدين في حاشيته شارحا لكلامه: (قوله كما لا يلزمه مداواتها) أي إتيانه لها بدواء المرض ولا أجرة الطبيب ولا الفصد ولا الحجامة هندية عن السراج.

شرح مختصر خليل للخرشي (4/ 187):

قال الخراشي المالكي: وكذلك لا يلزمه الدواء عند مرضها لا أعيان ولا أثمان ومنه أجرة الطبيب

روضة الطالبين وعمدة المفتين (9/ 50):

قال ابن شرف النووي الشافعي: لا تستحق الزوجة الدواء للمرض، ولا أجرة الطبيب والفصاد والحجام والختان، لأن هذه الأمور لحفظ الأصل، فكانت عليها كما يكون على المكري ما يحفظ العين المكراة، ويلزم الزوج الطعام والأدم في أيام المرض، ولها صرف ما تأخذه إلى الدواء ونحوه.

المغني لابن قدامة (8/ 199):

ولا يجب عليه شراء الأدوية، ولا أجرة الطبيب؛ لأنه يراد لإصلاح الجسم، فلا يلزمه

(جاری ہے)

Scanned with CamScanner

عبارات نمبر۲:

[سورة النساء: 19]:

{وعاشروهن بالمعروف فإن كرهتموهن فعسى أن تكرهوا شيئا ويجعل الله فيه خيرا كثيرا}

[سورة الطلاق: 6]:

{أسكنوهن من حيث سكنتم من وجدكم ولا تضاروهن لتضيقوا عليهن}

[سورة البقرة: 231]:

{ولا تمسكوهن ضرارا لتعتدوا ومن يفعل ذلك فقد ظلم نفسه}

سنن الترمذي ت شاكر (3/ 458):

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم «أكمل المؤمنين إيمانا أحسنهم خلقا، وخيركم خياركم لنسائهم» وفي الباب عن عائشة، وابن عباس.. «حديث أبي هريرة هذا حديث حسن صحيح»

عبارات نمبر۳:

الفقه الإسلامي وأدلته للزحيلي (10/ 7380):

ويظهر لدي أن المداواة لم تكن في العاصي حاجة أساسية، فلا يحتاج الإنسان غالباً إلى العلاج؛ لأنه يلتزم قواعد الصحة والوقاية، فاجتهاد الفقهاء مبني على عرف قائم في عصرهم. أما الآن فقد أصبحت الحاجة إلى العلاج كالحاجة إلى الطعام والغذاء، بل أهم؛ لأن المريض يفضل غالباً ما يتداوى به على كل شيء، وهل يمكنه تناول الطعام وهو يشكو ويتوجع من الآلام والأوجاع التي تبرح به وتجهده وتهدده بالموت؟! لذا فإني أرى وجوب نفقة الدواء على الزوج كغيرها من النفقات الضرورية، ومثل وجوب نفقة الدواء اللازم للولد على الوالد بالإجماع، وهل من حسن العشرة أن يستمتع الزوج بزوجته حال الصحة، ثم يردها إلى أهلها لمعالجتها حال المرض؟!.

معين الحكام فيما يتردد بين الخصمين من الأحكام (ص: 128):

[الباب الثامن والعشرون في القضاء بالعرف والعادة] في القضاء بالعرف والعادة قال الله تعالى: {خذ العفو وأمر بالعرف} [الأعراف: 199] الآية. والعادة غلبة معنى من المعاني على جميع البلاد أو بعضها.....وذكر القرافي هذه المسألة في كتاب الأحكام في الفرق بين الفتاوى والأحكام: أما الصحيح في هذه الأحكام في مذهب أبي حنيفة والشافعي وغيرهما المرتبة على العوائد للذين كانا حاصلين حالة جزم العلماء بهذه الأحكام، فهل إذا تغيرت تلك العوائد وصارت تدل على ضد ما كانت تدل عليه أولا فهل تبطل هذه الفتاوى في الكتب ويفتى بما تقتضيه العوائد المتجددة؟ أو يقال: نحن مقلدون وما لنا إحداث شرع لعدم أهليتنا للاجتهاد، فيفتى بما في الكتب المنقولة عن المجتهدين؟ والجواب أن إجراء هذه الأحكام التي مدركها العوائد متى تغيرت تلك العوائد خلاف الإجماع وجهالة في الدين، بل كل ما هو في الشريعة يتبع العوائد يتغير الحكم فيه عند تغيير العادة إلى ما تقتضيه العادة المتجددة، وليس ذلك تجديدا للاجتهاد من المقلدين حتى يشترط فيه أهلية الاجتهاد، بل هذه قاعدة اجتهد فيها

(جاری ہے۔۔۔)

Scanned with CamScanner

العلماء والمصنفون عليها، فنحن نتبعهم فيها من غير استقلال [illegible] ولهذا الله
كثيرة في الفقه ولا تطيل بحثها.

عبارات نمبر۴:

التوضيح في شرح مختصر ابن الحاجب (5/ 132):

ذكر خليل في إسحاق الصيدي المالكي ولا يأذن ذوة، ولا أجرة حجام، هذا أكثر نصوصهم
وهو قول ابن حبيب، ويقول ابن زرقون عن ابن حبيب محمد بن عبد الحكم أنه يلزمه أجر الطبيب
والمداواة، وهو الظاهر

منح الجليل شرح مختصر خليل (4/ 392):

ذكر الشيخ عليش المالكي قول أبي حفص بن العطار: يلزمه أن يداويها بقدر ما كان لها من
نفقة صحتها لا أزيد. ابن زرقون في تعقبات ابن رشيق عن ابن عبد الحكم: عليه أجر الطبيب
والمداواة

المختصر الفقهي لابن عرفة (5/ 14):

ذكر ابن عرفة المالكي أيضا قول ابن زرقون أنه قال: عليه أجر الطبيب والمداواة، ونحوه، وقول
أبي حفص العطار أنه قال: يلزمه أن يداويها بقدر ما كان لها من نفقة صحتها، ... لا أزيد.

عبارات نمبر۵:

سورة البقرة: 233:

{وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف لا تكلف نفس إلا وسعها}

سورة النساء: 59:

{يا أيها الذين آمنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم فإن تنازعتم في شيء
فردوه إلى الله والرسول إن كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر ذلك خير وأحسن تأويلا}

مشكاة المصابيح (2/ 1085):

وعن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «السمع
والطاعة على المرء المسلم فيما أحب وكره ما لم يؤمر بمعصية فإذا أمر بمعصية فلا
سمع ولا طاعة»

الدر المختار وحاشية ابن عابدين (رد المحتار) (5/ 422):

وفي ط عن الحموي أن صاحب البحر ذكر بحثا عن التمرتاشي أن طاعة الإمام في غير معصية واجبة
فلم أمر بمعصية وجب عليه وعلينا أن نستعفيه أو نحكم من يخلعه في الأصح وبه جزم

الأشباه والنظائر لابن نجيم (ص: 104):

القاعدة الخامسة: تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة

توضيح الأحكام من بلوغ المرام (1/ 545):

[illegible] - النبي - صلى الله عليه وسلم - قام بالمصلحة العائدة على المصلحة الخاصة؛ فعبد الله لم
[illegible] لم جزء في الأداء، وفي أداء به مصلحة خاصة به، وقيام بلال به مصلحة عامة لجميع
[illegible] فقدمها، وإنما قال - عليه الصلاة والسلام - لعبد الله ابن زيد: "قم مع بلال، فألق

Scanned with CamScanner

المصلحة العامة على المصلحة الخاصة، وأنه من السياسة الشرعية الحكيمة

سيدي خليل وترجيحاته الفقهية من خلال مختصره دراسة مقارنة (ص: 113).

ويدل ذلك أن الصحابة - رضي الله عنهم - أجمعوا على قضايا كثيرة لم يكن فيها طائم من النص أو القياس وإنما كان الدافع رعاية المصلحة العامة كإجماعهم على جمع القرآن الكريم).

والله أعلم بالصواب

الجواب صحيح

مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

۱۲/ربیع الثانی/۱۴۴۲ھ

28/نومبر/2020ء

الجواب صحیح

مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

۱۲/ربیع الثانی/۱۴۴۲ھ

28/نومبر/2020ء

الجواب صحیح

مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

۱۲/ربیع الثانی/۱۴۴۲ھ

28/نومبر/2020ء

محمود اشرف غفرلہ

دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی

۱۰/ربیع الثانی/۱۴۴۲ھ

۲۹/نومبر/2020ء

الجواب صحیح

نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

۱۲/ربیع الثانی/۱۴۴۲ھ

۲۸/نومبر/2020ء

الجواب صحیح

دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی

۱۲/ربیع الثانی/۱۴۴۲ھ

الجواب صحیح

دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی

۱۳/ربیع الثانی/۱۴۴۲ھ

الجواب صحیح

دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی

۱۳/ربیع الثانی/۱۴۴۲ھ

الجواب صحیح

دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی

۱۳/ربیع الثانی/۱۴۴۲ھ

دار الافتاء

فتویٰ نمبر ۲۵/۲۲۳۱

۱۳/۴/۱۴۴۲ھ

۲۹/۱۱/۲۰۲۰ء

Scanned with CamScanner